© rasailojaraid.com

غالب کا فارسی کلام

(ایک عمومی تبصرہ)

جناب عبدالقدوس صاحب نقوی

(۲)

قصائد:۔

قصائد میں غالب نے عرفی، خاقانی اور دیگر اساتذہ کا تتبع کیا ہے۔ خصوصاً عرفی سے وہ بہت زیادہ متاثر ہیں، اس کے آہنگ، خیال، شوکت الفاظ، مبالغہ آرائی وغیرہ کا رنگ ان کے تقریباً تمام قصائد میں ملتا ہے۔ انھوں نے بیشتر قصائد عرفی کے قصائد کے وزن ردیف اور قافیہ پر لکھے ہیں۔ عرفی کا پہلا قصیدہ حمدیہ ہے اس کا مطلع ہے ؎

ای متاع درد در بازار جان انداختہ گوہر ہر سود در جیب زیان انداختہ

غالب کی کلیات میں بھی پہلا قصیدہ عرفی کے اس قصیدہ کے انداز پر ہے اس کا مطلع ہے ؎

ای زوہم غیر غوغا در جہاں انداختہ گفتہ خود حرفی و خود را در گماں انداختہ

پورا قصیدہ عرفی کے قصیدہ کی صدائے بازگشت معلوم ہوتا ہے۔ عرفی کا قصیدہ مختصر ہے غالب کا طویل ہے۔ دونوں نے اپنے قصیدوں میں ذات و صفات باری کو فلسفیانہ اور تصوفانہ نکتہ آفرینیوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

عرفی کی طرح غالب کے یہاں بھی انا اور تعلی اپنے شباب پہ ہے۔ وہ اکثر اپنا اور عرفی کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنی برتری کا اظہار کرتے ہیں۔

عرفی کے ایک نعتیہ قصیدہ کا مشہور شعر ہے ؎

© rasailojaraid.com

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدیداست صنادید عجم را

اس میں عرفی نے اپنے اجداد کی عظمت کا اظہار کیا ہے۔ خود کو شکستہ در و دیوار کے نقش و نگار قرار دے کر وہ کہتا ہے کہ ان مٹتے ہوئے نقش و نگار سے بھی سرداران عجم (آباء عرفی) کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

غالب نے بھی عرفی کے اس قصیدہ کے تتبع میں حضرت عباس ابن علی کی منقبت میں ایک قصیدہ لکھا ہے اس میں عرفی کے مندرجہ بالا شعر کے جواب میں کہتے ہیں ؎

نازم بکمال خود و برخود نہ فزایم
آثار در و بام صنادید عجم را

اس طرح انھوں نے عرفی پر اپنی ذاتی فضیلت و کمال کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ان تعلیوں سے قطع نظر حقیقت یہ ہے کہ غالب عرفی کے متبع ہیں کہیں کہیں وہ اس سے بڑھ بھی جاتے ہیں لیکن عرفی کو وہ پیچھے نہیں چھوڑ سکے ہیں۔ عرفی کے یہاں جو زور، شوکت الفاظ، ندرت خیال، رنگینی بیان و تخیل اور تغزل ہے وہ غالب کے یہاں ہر جگہ نہیں ہے دوسری خصوصیت عرفی کا استغنا اور اس کی خودداری ہے جو غالب کے یہاں بالکل نہیں ہے۔ عرفی نے معدودے چند ممدوحین کے علاوہ کسی اور کی مدح سے اپنا قلم آلودہ نہیں کیا۔ وہ اتنا خودسر اور خود ستا تھا کہ بالواسطہ طور سے اکبر کی ہجو کہہ ڈالی وہ اپنے ہر قصیدہ میں خواہ وہ نعتیہ ہو یا مدحیہ، ممدوح کی مدح سے پہلے اپنی تعریف اور مدح ضرور کرتا ہے۔ اگرچہ اسے اپنی ناقدری کا رونا ہے لیکن کبھی پست سطح پر آکر کسی سے شکوہ یا فریاد نہیں کرتا۔ اس کے برعکس غالب کے یہاں بہت سی جگہ بالکل گدایانہ انداز ہے۔ انھوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے ہر کس و ناکس کی شان میں قصیدے لکھے ہیں اور اپنی تنگدستی کا رونا رویا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد غالب کے ممدوحین اکثر انگریز حکام تھے اور ان سب کی شان میں بھی انھوں نے اسی بلند آہنگی کے ساتھ قصیدے لکھے ہیں جیسے بہادر شاہ ظفر کی مدح میں۔ یہ کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ جن انگریزوں نے ان کے ولی نعمت کو قید اور اس کی سلطنت کو ختم کیا وہ ان ہی کی مدح میں قصائد لکھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ غالب ہمیشہ ہی سرکار انگریزی کے نمک خوار رہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے بھی انہیں سرکار انگریزی سے پنشن ملتی تھی اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ اس لیے شروع سے آخر تک ان کی ہمدردیاں انگریزوں کے ساتھ رہیں۔ ۱۸۵۷ء کے

© rasailojaraid.com

ہنگامہ سے وہ بہت زیادہ بددل تھے۔ اس کا سبب عام بدامنی کے علاوہ ایک یہ بھی تھا کہ انھوں نے ملکہ وکٹوریہ سے خطاب و خلعت کی استدعا کی تھی اور انہیں امید تھی کہ ان کی خواہش پوری ہوگی کہ اچانک یہ ہنگامہ شروع ہوگیا اور ان کی یہ آرزو خاک میں مل کر رہ گئی دستنبو میں بھی انھوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔

وکٹوریہ کی مدح میں ان کا جو قصیدہ ہے اس میں وہ خطاب اور خلعت کے بارے میں کہتے ہیں ؎

آن بادہ روز نیست کہ گفتار من مرا　　　سیمای عز و جاہ بدیں آستاں دہد
آن بادہ روز باد کہ کلک وزیر خاص　　　آوازۂ نوازش من در جہاں دہد
آن بادہ خوش بود کہ شہنشاہ بحر و بر　　　انجام خواہشِ اسد اللہ خاں دہد
چوں دہر غالبم بہ سخن نام کردہ است　　　غالب کہ نام من ز حقیقت نشاں دہد

قصائد میں جہاں غالب اپنی حالت بیان کرتے ہیں اور ممدوح سے عطا و کرم کے طالب ہوتے ہیں وہاں ان کا انداز بہت پست اور گدایانہ ہو جاتا ہے۔ جو ہرگز ان جیسے عظیم شاعر کو زیب نہیں دیتا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ عرفی کے مقابلہ میں بالکل گر جاتے اور انوری کا انداز طلب اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک قصیدہ میں لارڈ ایلن برا کو مخاطب کرکے کہتے ہیں ؎

من خوردہ چاکر تو بزرگان بریں بساط　　　سور م ولی زلہ ربایان خوان تو
چوں چاکران خویش شماری درآں شمار　　　غالب کہ نام من بگذرد بہ زبانِ تو
بنگر بچشم لطف کہ غالب دریں دیار　　　مداح شاہ تست و ثنا خوان جانِ تو

ایک اور قصیدہ میں کہتے ہیں کہ میں اپنی تنگدستی سے عاجز آگیا ہوں سرکار انگریزی کا نمک پروردہ ہوں پہلے لارڈ آکلینڈ مجھ پر نوازش کرتے تھے اب آپ کرم کیجیے ؎

مرا دردیست اندر دل کہ جانفرسائی آن را　　　نداتم چارۂ الاں اینقدر دانم کہ میدانی
نمک پروردۂ این دولت جاوید بنیادیم　　　بہ پیمان مودت دارم آئین ثنا خوانی
کرم میکرد گر لارڈ آکلینڈ از رہِ غمخواری　　　تو نیز از راہ غمخواری کرم کن گر نکو دانی

اپنی پنشن کی واگذاری اور جلد ادائگی کے سلسلے میں بھی غالب نے قصائد کی شکل میں درخواستیں پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہیں۔ چارلس مٹکاف کی مدح میں ایک قصیدہ میں کہتے ہیں کہ آپ میری پانچ خواہشیں پوری کر دیجئے۔

۱۔ میری معاش کا کوئی مستقل سلسلہ کر دیجئے اور دفتر سرکار سے مجھے جو رقم ملے وہ پوری مل جایا کرے۔

۲۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔

۳۔ مجھے حاکم میعادت کے سامنے حاجت پیش نہ کرنی پڑے اور خزانہ سرکار سے مجھے براہ راست رقم مل جایا کرے

۴۔ میری پچھلی رکی ہوئی رقم مل جائے

۵۔ فتح کی خوشی میں مجھے خلعت اور خطاب عطا ہو۔

پنج مطلب ز تو ہست و بصد گونہ امید — خواہم آں پنج علی الرغم حسود و غماز
اوّل این ست کہ در باب معاشی کہ مراست — کنی اندیشہ محکم بہ طریق ایجاز
ہر چہ در دفتر سرکار شود نقش پذیر — ہم باندازۂ آں نقش شود مائدہ ساز
دوم آں کز اثر عدل تو ای سنجر عہد — غیر با بندہ دریں وجہ بنا شد انباز
سوم آں ست کہ دیگر نکنم دست طلب — پیش فرماندہ میعادات بدریوزہ دراز
ہم بگنجینہ سرکار براتی خواہم... — دادہ انصاف بدیں بانگی اذن جواز
چہارم این ست کہ باقی زرِ چندیں سالہ — بی نزاع و جدل و جہد بمن گردد باز
پنجم آں کز پی ایں فتح کہ بنماید روی — دہیم مژدہ اکرام و نوید اعزاز
بخشیم تازہ خطابی و بر آں افزای — خلعتی در خور ایں دولت جاوید طراز

غالب نے شاہان اودھ امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کی مدح میں بھی قصائد لکھے ہیں۔ واجد علی شاہ

کی مدح میں ایک قصیدہ کے آخر میں اپنی خستگی اور افلاس کا ذکر کرتے ہیں —

فغاں ز پیری و رنجوری و گرانی گوش — کہ کرد ایں ہمہ دشوار کار آساں را
دل پر آتش و چشم پر آب من دارد — تنور پیرزن و ماجرای طوفاں را
ستم نگر کہ بدرماندگی ہمی شنوم — خروش نالہ و فریاد دام خواہاں را
ہلاک عشرت تقدیم اگر نہ من باشد — بچارہ سوی فروشم ریاض رضواں را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی میں تو عشرتِ امروز کا طالب ہوں کل کی جنت سے کیا طبیعت بہلے۔ اگر مجھے مل جائے تو جنت کو بیچ کر آج ہی سامانِ عیش کر لوں۔

پھر کہتے ہیں کہ جس طرح پتھر پر گھسنے سے تلوار کی دھار تیز ہوتی ہے اسی طرح زمانے کی سختیوں سے میری طبیعت کی روانی بڑھتی ہے ؎

شود روانیِ طبعم فزون ز سختیِ دہر　　بسنگ تیز تواں کرد تیغ برّاں را

نکتہ آفرینی غالب کا خاص انداز ہے اور اس میں وہ بڑے لطیف نکتے پیدا کرتے ہیں۔ نواب یوسف علی خاں والی رامپور کی مدح میں ایک قصیدہ میں کہتے ہیں کہ میں ایک خزانہ ہوں اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے خزانہ ویرانہ میں چھپایا جاتا ہے اس لیے اگر میرے ہوتے ہوئے دہلی ویران ہو گئی تو تعجب اور غم کیوں ہو ؎

من گنجم و گردون بہ گل اندودہ درم را　　می بینی در گنج ار چہ کشودن شدہ مشکل

خود در خور ویرانہ بود گنج گرانمند　　غم نیست گر آبادیِ دہلی شدہ زائل

ایک اور قصیدہ میں کہتے ہیں کہ اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن اس افسردہ دلی میں بھی طبیعت کی گرمی موجود ہے۔ یہ بڑھاپا تو مبارک ہے کہ اب میرے لیے حسینوں کے نازو غمزے وجہ کشش نہیں رہ گئے بلکہ میری کمر کا خم مجھے عبادت و اطاعت کی یاد دلاتا ہے ؎

دارم نفس گرم در افسردہ دلی نیز　　از سردیِ موسم چہ زیاں گرمیِ دم را

فرخ دمِ پیری کہ کند در نظرم خوار　　خوباں قمر طلعت و ناہید شکم را

پشتم بسوی سجدہ ز خم راہ نماید　　بار یست گراں منت غمخواری غم را

ایک اور قصیدہ میں جو مہاراجہ شیودھیان سنگھ والی الور کی مدح میں ہے ریاست سے اپنے دیرینہ تعلق کا ذکر کرتے ہوئے نکتہ آفرینی کرتے ہیں ؎

تقویم سالِ نیست خطِ بندگیِ من　　کز کہنگی فرو فتد از اوج اعتبار

آں خط لطیفہ ایست کہ امسال در جہاں　　خوشتر ز پار و پار بود خوشتر از پیار

اندر ہی راستی بود آں خط الف ولی　　سال است نقطہ در نظر دہو شیار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر سال تقدمان فشود افزون نگر با الف — یک نقطہ شد دو نقطہ شد و سہ شد و ہزار

یعنی میرا خط بندگی الف کی طرح ہے اور ہر سال جو آتا ہے الف کے آگے ایک نقطہ کا اضافہ کرتا ہے۔ ایک سال سے دس بنتا ہے دوسرے سے سو تیسرے سے ہزار۔ اس طرح ہر سال اس خط بندگی کی قیمت و اہمیت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

غالب کے والد عبداللہ بیگ والی الور کی سرکار میں ملازم تھے اور وہیں ریاست کے باغیوں سے مقابلہ میں کام آئے۔ مہاراجہ نے ازراہِ پرورش ان کے بچوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ غالب اس وقت پانچ سال کے تھے اس بات کا اور اپنے والد کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

زاں پس کہ گشت گوہر من در جہاں یتیم — زاں پس کہ کشتہ شد پدرم بکارزار

در پنج سالگی شدہ ام چاکر حضور — رنگیں سخن طرازم و دیرین وظیفہ خوار

دارم بگوش حلقہ ز پنجاہ و ہشت سال — اکنوں کہ عمر شصت و سہ سالست در شمار

باید شنید راز ز اعیان بارگاہ — باید شنید قصہ ز پیران آن دیار

پھر کہتے ہیں کہ گواہوں کی کیا ضرورت ہے آپ خود دیکھ لیجئے کہ راج گڑھ میں آج بھی میرے باپ کی قبر موجود ہے ؎

کافی بود مشاہدہ شاہد ضرور نیست — در خاک راج گڑھ پدرم را بود مزار

غالب اپنے قصیدوں میں الفاظ کی ہم آہنگی سے غنائیت پیدا کرتے ہیں مفتی صدرالدین آزردہ کی مدح میں جو قصیدہ ہے اس کے دو شعر ؎

صدر دین دولت و صدر الصدور روزگار — میر و مخدوم و مطاع و والی و مولای من

گویم از نکتہ چیناں در دلم نبود ہراس — کیقباد و قیصر و کیخسرو و دارای من

اپنے قصائد میں انھوں نے رائج الوقت انگریزی الفاظ اور ناموں کو بھی بطور قافیہ استعمال کیا ہے مثلاً گورنر، لفٹنٹ گورنر، چیف سکتر (سکریٹری) وغیرہ۔

خامہ دانی زچہ سر بر خط مسطور آمد — سر بپائی لفٹنٹ گورنر دارد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوش بود آب رخ نامہ نگار افزودن　　کہ ز رشح قلم چیست سکر تر دارد

مبالغہ آرائی | قصیدہ نگاری میں مبالغہ آرائی ایک لازمی وصف سمجھا جاتا ہے۔ فارسی قصیدہ گو اس معاملے میں بہت زیادہ بدنام ہیں اور سوائے سعدی کے سب ہی قصیدہ گو شعراء نے اس صنف میں اپنے کمالات دکھائے ہیں۔ غالب کے قصائد میں بھی مبالغہ آرائی کا وہی روایتی انداز ہے بلکہ کہیں کہیں تو انھوں نے روایتی مبالغہ آرائی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

قزل ارسلان کی مدح میں ظہیر فاریابی کے قصیدہ کا ایک شعر ہے ؎

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پائی　　تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

یعنی اندیشۂ فکرِ انسانی کو قزل ارسلان کی رکاب کو بوسہ دینے کے لیے عرش و کرسی سے بھی اونچا جانا پڑتا ہے سعدی نے اپنے ایک قصیدہ میں ظہیر کے اس مبالغہ پر تنقید کی تھی لیکن غالب نے ظہیر کی اسی مبالغہ آرائی سے اپنے ایک قصیدہ میں فائدہ اٹھایا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں ان کا ایک قصیدہ ہے اس میں کہتے ہیں ؎

اندیشہ گر بفرض تُبرد رہ بہ منظرش　　افلاک را ز دور بہ پستی نشان دہد

اس سے بھی بڑھ کر وہ اپنی مثنوی "سر مہ بینش" میں بہادر شاہ ظفر کی مدح میں کہتے ہیں ؎

بر دعای شہ سخن کوتاہ باد　　تا خدا باشد بہادر شاہ باد

ظاہر ہے مبالغہ غلو یا اغراق کی تمام حدیں اس کے آگے ختم ہو جاتی ہیں۔

غزلیات :-

اردو کی طرح فارسی میں بھی غالب کا سرمایہ غزلیات مختصر ہے۔ غزل میں انھوں نے نظیری، ظہوری، صائب اور بیدل کا تتبع کیا ہے اور جگہ جگہ اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ خصوصاً ظہوری سے وہ بہت زیادہ متاثر ہیں اور اس کا ذکر بڑے احترام اور والہانہ انداز سے کرتے ہیں ؎

بنظم و نثر مولانا ظہوری زندہ ام غالب　　رگ جاں کردہ ام شیرازۂ اوراق کتابش را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غالب از صہبای اخلاق ظہوری سرخوشیم　　　　پارہ پیش است از گفتار ما ، کردار ما

ما را مدد ز فیض ظہوری ست در سخن　　　　چوں جام بادہ راتبہ خوار خمیم ما

ذوق فکر غالب را بردہ ز انجمن بیروں　　　　با ظہوری و صائب محو ہم زبانیہا ست

اسی طرح نظیری کے تتبع کا بھی اعتراف کرتے ہیں سے

جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالب　　　　خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

ع　　ز فیض نطق خویشم با نظیری ہم زباں غالب

عرفی سے بھی استفادہ کیا ہے سے

گشتہ ام غالب طرف با مشرب عرفی کہ گفت　　　　روی دریا سلسبیل و قعر دریا آتش است

ان شعرا کے علاوہ طالب آملی بھی ان کا پسندیدہ شاعر ہے اور اس کے کلام سے بھی انھوں نے فیض حاصل کیا ہے۔

ان کی غزلوں میں فلسفہ کی آمیزش۔ تصوف کا رنگ، جذبات عشق اور ان کی اپنی زندگی کا درد نمایاں ہے

چند اشعار دیکھئے۔

حمد:-

ای بخلاد ملاخوی تو ہنگامہ زا　　　　با ہمہ در گفتگو بی ہمہ با ماجرا

آب نہ بخشی بزور خون سکندر ہدر　　　　جاں نہ پذیری بہ ہیچ نقد خضر نا روا

بزم ترا شمع و گل خستگی بوتراب　　　　ساز ترا زیر و بم واقعہ کربلا

تصوف:-

کفر و دیں چیست جز آلائش پندار وجود　　　　پاک شو پاک کہ ہم کفر تو دین تو شود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آن راز کہ در سینہ نہان ست نہ وعظ است بر دار توان گفت بہ منبر نتوان گفت

خلقی بہ ہستی عالم کشیدیم از مژہ بستن ز خود رفتیم و ہم با خویشتن بردیم دنیا را

چرا بہ سنگ و گیا ہیچ ای زبانہ طور ز راہ دیدہ بدل در رو و ز جان برخیز

درد و غم غالب کا خاص موضوع ہے۔ ان کی زندگی درد و غم سے معمور تھی اس لیے کلام میں بھی سوز و گداز نمایاں ہے ؎

جانِ غالب تاب گفتار گماں داری ہنوز سخت بی مہری کہ می پرسی زما احوال ما

گمانِ زیست بود بر منت ز بیدردی بد است مرگ ولی بدتر از گمان تو نیست

در بغل دشنہ نہاں ساختہ غالب امروز مگذارید کہ ماتم زدہ تنہا ماند

معنی آفرینی:۔

شنیدۂ کہ بآتش نسوخت ابراہیم ببیں کہ بی شرر و شعلہ می توانم سوخت

یعنی حضرت ابراہیم کے معجزے کے متعلق تم نے سنا ہوگا کہ آگ انہیں جلا نہیں سکی لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات یہ دیکھو کہ میں بغیر آگ کے جل رہا ہوں ۔

صلح کل | غالب مذہباً غالی شیعہ تھے لیکن ان کا مسلک صلح کل تھا۔ رند مشرب تھے اس لیے مذہبی مناقشات کو ناپسند کرتے تھے۔

بحث و جدل بجای ماں میکدہ جوی کاندراں کس نفس از جمل نزد کس سخن از فدک نخواست

جنگ جمل اور باغ فدک کا مسئلہ مسلمانوں کے دونوں فرقوں میں ہمیشہ بحث و جدال کا موضوع رہا ہے لیکن غالب کس خوبی سے ان مناقشات کو نظر انداز کرکے مجلس آرائی کی دعوت دے رہے ہیں۔ غالب کے یہاں عیش کا تصور یہ ہے کہ دروازہ بند کرکے ایک گوشہ میں بیٹھ کر مے و ساقی سے تمتع کیا جائے۔ دنیا کی فکر، داروگیر کا خوف، کسی کی آمد یا مداخلت، کوئی چیز اس میں مخل نہ ہو ؎

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم قضا بگردش رطل گراں بگردانیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بگوشہ بنشینیم و در فراز کنیم — بکوچہ بر سر رہ پاسباں بگردانیم
اگر ز شحنہ بود گیر و دار نیندیشیم — وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم
اگر کلیم شود ہمزباں سخن نکنیم — وگر خلیل شود میہماں بگردانیم

میکشی | میکشی غالب کا محبوب موضوع ہے۔ اس میں وہ نئے نئے مضامین اور نکتے پیدا کرتے ہیں۔ ان کے کلام سے مے نوشی کے بارے میں ان کے ذوق اور آداب کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً یہ کہ انہیں انگریزی شراب پسند تھی۔

می صافی ز فرنگ آمد و شاہد ز تتار — ما ندانیم کہ بغدادی و بسطامی ہست

ایک اور جگہ کہتے ہیں ؎

از فرنگ آمدہ در شہر فراواں شدہ است — جرعہ را دیں عوض آبیکہ ملمانش شدہ است

اور یہ کہ وہ شراب میں گلاب ملا کر پیا کرتے تھے ؎

آسودہ باد خاطر غالب کہ خوی اوست — آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را

برسات کو وہ موسمِ شراب کہتے ہیں ؎

بہار ہند بود برشگال ہاں غالب — دریں خزاں کدہ ہم موسم شرابی ہست

ان کے یہاں ان کم ظرفوں کے لیے شراب نوشی کی اجازت نہیں جو مستی میں حد سے گذر جاتے ہیں

پیمانہ بر آں رند حرام است کہ غالب — در بیخودی اندازہ گفتار ندارد

شوخی | غالب کے مزاج میں شوخی اور ظرافت بہت زیادہ تھی۔ حالی نے انہیں حیوان ظریف لکھا ہے۔ ہر چند کہ آلام و مصائب کے ہاتھوں وہ پریشان رہتے تھے تاہم ان کی زندہ دلی شوخی اور ظرافت ان کی زندگی اور کلام میں نمایاں ہے۔ چند شعر دیکھئے۔

فرشتہ معنی من ربک نمی فہمم — بمن بگوی کہ غالب بگو خدای تو کیست

نکیرین سے کہتے ہیں کہ تم مجھ سے عربی میں سوال کر رہے ہو بھلا میں اسے کیا سمجھوں مجھ سے تو سیدھی سادی زبان میں یہ پوچھو کہ تیرا خدا کون ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبوب کی کمر کو بہت سے شعراء نے بال سے تشبیہ دی ہے غالب کی شوخی دیکھئے اس میں بھی جدت پیدا کر دی۔

موئی کہ برون نادرہ باشد چہ نماید بیہودہ درا اندام تو جستیم میاں را

یعنی تیری کمر تو وہ بال ہے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہم فضول ہی تیرے جسم میں کمر کی تلاش کر رہے ہیں۔

شیطان کے مکر سے پناہ مانگنا بڑی عام سی بات ہے۔ لیکن غالب کی شوخی دیکھئے۔

تو داری دین و ایمانی بترس از دیو و نیرنگش چوں بنود تو شہ راہی چہ باک از رہزنم باشد

یعنی آپ کے پاس دین و ایمان ہے آپ شیطان اور اس کے وسوسے سے ڈریں میرے پاس نہ دین نہ ایمان مجھے شیطان کا خوف کیوں ہو۔

ای آنکہ براہ کعبہ روی داری نازم کہ گزیدہ آرزوی داری
زینگونہ کہ تند می خرامی دانم در خانہ زن ستیزہ خوئی داری

(یعنی آپ جو یوں بھاگے ہوئے کعبہ کو جا رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بیوی سے تنگ آ کر بھاگتے ہیں)۔

مندرجہ بالا رباعی میں شاید غالب نے اپنے آپ سے ہی خطاب کیا ہے کیونکہ ایک دوسری جگہ خود اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اپنے متعلقین سے بچنے کے لیے حج کو جانے کا ارادہ کر رہے تھے ۔

زانجا کہ دلم بوہم در بند بنود با ہیچ علاقہ سخت پیوند بنود
مقصود من از کعبہ و آہنگ سفر جز ترک دیار و زن و فرزند بنود

غالب اپنے متعلقین سے بہت تنگ تھے۔ ایک اور جگہ رشک سے کہتے ہیں۔

آں مرد کہ زن گرفت دانا بنود از غصہ فراغتش ہما نا بنود
وارو بجہاں خانہ و زن نیست مرد نازم بخدا اچہ را تو انا بنود

© rasailojaraid.com